تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7منٹ

✿✿✿ تقریر ✿✿✿

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو نصائح

(ملفوظات جلد2ایڈیشن1984ء)

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا(بنی اسرائیل:24)

یعنی خدا نے یہ چاہاہے کہ کسی دوسرے کی بندگی نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔

وہ لوگ جو کہ معرفت حق میں خام ہیں
بت ترک کرکے پھر بھی بتوں کے غلام ہیں

سامعین کرام! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ ملفوظات کی دس جلدوں میں ذاتی اصلاح اور احباب جماعت کی تعلیم وتربیت و اصلاحِ احوال کے لئے بہت قیمتی نصائح موجود ہیں۔ آج سے ملفوظات جلد دوم کے ایڈیشن 1984ء سے چند اہم اور قیمتی نصائح پیش کرنے کا سلسلہ شروع کر رہا ہوں۔ آج کی تقریر ملفوظات جلد دوم میں بیان نصائح کی دوسری تقریر ہے۔

بہشتی زندگی

فرمایا:

”اصل بات یہ ہے کہ بہشتی زندگی اِسی دُنیا سے شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پر کورانہ زیست جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے بالکل الگ ہو کر بسر کی جائے۔ جہنّمی زندگی کا نمونہ ہے اور وہ بہشت جو مرنے کے بعد ملے گا۔ اسی بہشت کا اصل ہے اوراسی لئے تو بہشتی لوگ نعماء جنّت کے حظ اُٹھاتے وقت کہیں گے۔ ھٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ۔ دُنیا میں انسان کو جو بہشت حاصل ہوتا ہے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰھَا پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ جب انسان عبادت کا اصل مفہوم اور مغز حاصل کرلیتا ہے تو خدا تعالیٰ کے انعام واکرام کا پاک سِلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور جو نعمتیں آئندہ بعد مُردن ظاہری، مرئی اور محسوس طور پر ملیں گی وہ اب رُوحانی طور پر پاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ جب تک بہشتی زندگی اسی جہاں سے شروع نہ ہو اور اس عالَم میں اُس کا حظ نہ اُٹھاؤ۔ اس وقت تک سیر نہ ہو اور تسلّی نہ پکڑو۔ کیونکہ وُہ جو اِس دُنیا میں کچھ نہیں پاتا اور آئندہ جنّت کی امید کرتا ہے وہ طمع خام کرتا ہے۔ اصل میں وُہ مَنۡ کَانَ فِیۡ ھٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَھُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ کا مصداق ہے۔ اس لئے جب تک ماسِوی اللہ کے کنکر اور سنگریزے زمینِ دل سے دُور نہ کرلو اور اُسے آئینہ کی طرح مُصفّا اور سُرمہ کی طرح باریک نہ بنالو۔ صبر نہ کرو۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 66)

استغفار کا فائدہ

فرمایا:

”وَّاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ۔ یاد رکھو کہ دو چیزیں اس امّت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصِل کرنے کے واسطے۔ دوسری حاصِل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔ قوت حاصِل کرنے واسطے استغفار ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ صُوفیوں نے لکھاہے کہ جیسے ورزش کرنے

سے مثلاً مگدروں اور موگریوں کے اُٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے۔ اسی طرح پر رُوحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ رُوح کو ایک قوت مِلتی ہے اور دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے جسے قوت یعنی مطلوب ہو وہ استغفار کرے۔ غفر ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان اُن جذبات اور خیالات کو ڈھانپنے اور دبانے کی کوشِش کرتا ہے جو خدا تعالیٰ سے روکتے ہیں۔ پس استغفار کے یہی معنے ہیں کہ زہریلے مواد جو حملہ کر کے انسان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ اُن پر غالِب آوے اور خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کی راہ کی روکوں سے بچ کر انہیں عملی رنگ میں دکھائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قسم کے مادے رکھے ہیں۔ ایک سمّی مادہ ہے جس کا موکّل شیطان ہے اور دوسرا تریاقی مادہ ہے۔ تو سمّی قوت غالب آجاتی ہے۔ لیکن جب اپنے تئیں ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چشمہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی رُوح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے اور یہی استغفار کے معنی ہیں۔ یعنی یہ کہ اُس قوت کو پا کر زہریلے مواد پر غالب آجاوے۔

غرض اِس کے معنے یہ ہیں کہ عبادت پر یُوں قائم رہو۔ اوّل۔ رسُول کی اطاعت کرو۔ دوسرے ہر وقت خُدا سے مدد چاہو۔ ہاں پہلے اپنے ربّ سے مدد چاہو۔ جب قوت مِل گئی تو تُوبُوۡۤا اِلَیۡہِ یعنی خدا کی طرف رجُوع کرو۔

استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں۔ ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدّم ہے۔ کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خُدا سے حاصِل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادۃُ اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا تو خدا تعالیٰ ایک قوت دے دے گا اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاوے گا اور نیکیوں کے کرنے کے لئے اُس میں ایک قوت پیدا ہو جائے گی۔ جس کا نام تُوبُوۡۤا اِلَیۡہِ ہے۔ اس لئے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لئے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خُدا سے اِستمداد چاہے۔ سالِک جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائے گا۔ کیا کر سکے گا۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے۔ اگر استغفار نہ ہو تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔ پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہو گا۔ یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پالو گے۔ ہر ایک حس کے لئے ایک دائرہ ہے جس میں وہ مدارج ترقی کو حاصل کرتا ہے۔ ہر ایک آدمی نبی، رسول، صدّیق، شہید نہیں ہو سکتا۔

غرض اس میں شک نہیں کہ تفاضل درجات امر حق ہے۔ اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اُمور پر مواظبت کرنے سے ہر ایک سالِک اپنی اپنی استعداد کے موافق درجات اور مراتب کو پالے گا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا۔ وَّیُؤۡتِ کُلَّ ذِیۡ فَضۡلٍ فَضۡلَہٗ۔ لیکن اگر زیارت لیکر آیا ہے تو خدا تعالیٰ اس مجاہد میں اس کو زیارت دے دیگا اور اپنے فضل کو پالے گا جو طبعی طور پر اُس کا حق ہے۔ ذی الفضل کی اضافت ملکی ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محرُوم نہ رکھے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میاں! ہم نے ولی بننا ہے؟ جو ایسا کہتے ہیں وہ دنی الطبع کافر ہیں۔ انسان کو مناسب ہے کہ قانُونِ قدرت کو ہاتھ میں لے کر کام کرے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 67-69)

دُعا بہترین ہمدردی ہے

فرمایا:

"یاد رکھو! ہمدردی تین قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل جسمانی، دوم مالی، تیسری قسم ہمدردی کی دُعا ہے۔ جس میں نہ صرف زر ہوتا ہے اور نہ زور لگانا پڑتا ہے اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اس صورت میں ہی انسان کر سکتا ہے جبکہ اُس میں طاقت بھی ہو۔ مثلاً ایک ناتواں مجروح مسکین اگر کہیں پڑا تڑپتا ہو تو کوئی شخص جس میں خود طاقت اور توانائی نہیں ہے کب اُس کو اٹھا کر مدد دے سکتا ہے اسی طرح پر اگر کوئی بیکس و بے بس بے سروسامان انسان بھوک سے پریشان ہو تو جب تک مال نہ ہو۔ اس کی ہمدردی کیونکر ہو گی۔ مگر دعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے۔ کہ نہ اس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت بلکہ جب تک انسان انسان ہے۔ وہ دوسرے کیلئے دعا کر سکتا ہے اور اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت ہی وسیع ہے اور اگر اس ہمدردی سے کام نہ لے تو سمجھو بہت ہی بڑا بدنصیب ہے۔

مَیں نے کہا ہے کہ مالی اور جسمانی ہمدردی میں انسان مجبور ہوتا ہے۔ مگر دعا کے ساتھ ہمدردی میں مجبور نہیں ہوتا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے۔ جس قدر دعا وسیع ہو گی اسی قدر فائدہ دعا کرنے والے کو ہو گا اور دعا میں جس قدر بخل کرے گا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہوتا جاوے گا اور اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عطیہ کو جو بہت ہی وسیع ہے جو شخص محدود کرتا ہے اس کا ایمان بھی کمزور ہے۔

دوسروں کے لئے دُعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں۔ اُن کی عمر دراز ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا۔ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ۔ اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں اس لئے خصوصیّت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جاسکتی ہے وہ یہی دُعا کی خیر جاری ہے۔ جبکہ خیر کا نفع کثرت سے ہے۔ تو ہر آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دُعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو دُنیا میں خیر کا مُوجب ہوتا ہے۔ اس کی عُمر دراز ہوتی ہے اور جو شرؔ کا مُوجب ہوتا ہے وہ جلدی اُٹھا لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں شیر سنگھ چڑیوں کو زندہ پکڑ کر آگ پر رکھا کرتا تھا۔ وہ دو برس کے اندر ہی مارا گیا۔ پس انسان کو لازم ہے کہ وہ خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَّنۡفَعُ النَّاسِ بننے کے واسطے سوچتا رہے اور مطالعہ کرتا رہے۔ جیسے طبابت میں حیلہ کام آتا ہے۔ اسی طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی حیلہ ہی کام دیتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے کہ کس راہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ سائل کو دیکھ کر چڑ جاتے ہیں اور کچھ مولویّت کی رگ ہو تو اس کو بجائے کچھ دینے سے سوال کے مسائل سمجھانا شروع کر دیتے ہیں اور اس پر اپنی مولویّت کا رُعب بٹھا کر بعض اوقات سخت سُست بھی کہہ بیٹھتے ہیں۔ افسوس! ان لوگوں کو عقل نہیں اور سوچنے کا مادہ نہیں رکھتے۔ جو ایک نیک دل اور سلیم الفطرت انسان کو مِلتا ہے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ سائل اگر باوجود صحت کے سوال کرتا ہے تو وہ خود گناہ کرتا ہے۔ اس کو کچھ دینے میں تو گناہ لازم نہیں آتا۔ بلکہ حدیث شریف میں لَوۡ اَتَاکَ رَاکِبًا کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی خواہ سائل سوار ہو کر بھی آوے تو بھی کچھ دے دینا چاہئے اور قرآن شریف میں وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡھَرۡ کا ارشاد آیا ہے کہ سائل کو مت جھڑک۔ اس میں یہ کوئی صراحت نہیں کی گئی کہ فُلاں قسم کے سائل کو مت جھڑک اور فُلاں قسم کے سائل کو جھڑک۔ پس یاد رکھو کہ سائل کو نہ جھڑکو۔ کیونکہ اس سے ایک قسم کی بداخلاقی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اخلاق یہی چاہتا ہے کہ سائل پر جلد ہی ناراض نہ ہو۔ یہ شیطان کی خواہش ہے کہ وہ اس طریق سے تم کو نیکی سے محروم رکھے اور بدی کا وارث بنا دے۔

غور کرو کہ ایک نیکی کرنے سے دوسری نیکی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح پر ایک بدی دوسری بدی کا موجب ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک چیز دوسری کو جذب کرتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے یہ تجاذب کا مسئلہ ہر فعل میں رکھا ہوا ہے۔ پس جب سائل سے نرمی کے ساتھ پیش آئے گا اور اس طرح پر اخلاقی صدقہ دے دیگا تو قبض دُور ہو کر دوسری نیکی بھی کرلے گا اور اُس کو کچھ دے بھی دے گا۔

اخلاق دوسری نیکیوں کی کلید ہے۔ جو لوگ اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے۔ وہ رفتہ رفتہ بے خیر ہو جاتے ہیں۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دُنیا میں ہر ایک چیز کام آتی ہے۔ زہر اور نجاست بھی کام آتی ہے۔ اسٹر کنیا بھی کام آتا ہے۔ اعصاب پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ مگر انسان جو اخلاق فاضِلہ کو حاصل کر کے نفع رساں ہستی نہیں بنتا۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی بھی کام نہیں آسکتا۔ مُردار حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی تو کھال اور ہڈیاں بھی کام آجاتی ہیں۔ اُس کی تو کھال بھی کام نہیں آتی اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں انسان بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اخلاق کی درستی بہت ضروری چیز ہے۔ کیونکہ نیکیوں کی ماں اخلاق ہی ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 73-76)

دُعا کی قبولیت کے لئے کون سے طریقے اپنائے جائیں

فرمایا:

"یہ خوب یاد رکھو کہ انسان کی دُعا اُس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے غفلت، فِسق و فجور کو چھوڑ دے۔ جس قدر قُربِ الٰہی انسان حاصل کرے گا۔ اُسی قدر قبولیّت دعا کے ثمرات سے حصّہ لے گا۔ اسی لئے فرمایا۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّھُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ (البقرہ: 187) اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ (سبا: 53)۔ یعنی جو مجھ سے دُور ہو۔ اُس کی دُعا کیونکر سنوں۔ یہ گویا عام قانون قدرت کے نظارہ سے ایک سبق دیا ہے۔ یہ نہیں کہ خدا سن نہیں سکتا۔ وہ تو دل کے مخفی در مخفی ارادوں اور اُن ارادوں سے بھی واقِف ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ مگر یہاں انسان کو قُربِ الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جیسے دُور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اسی طرح پر جو شخص غفلت اور فِسق و فجُور میں مبتلا رہ کر مجھ سے دُور ہوتا جاتا ہے جس قدر وہ دُور ہوتا ہے اُسی قدر حجاب اور فاصلہ اس کی دعاؤں کی قبولیت میں ہوتا جاتا ہے۔ کیا سچ کہا ہے

پیدا است ندا را کہ بلند ہست جناب

جیسے مَیں نے ابھی کہا گو خدا عالم الغیب ہے لیکن یہ قانون قدرت ہے کہ تقویٰ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ نادان انسان بعض وقت عدم قبُول دعا سے مُرتد ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ نوافل سے مومن میرا مقرّب ہو جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 198)

حصول دنیا میں مقصود بالذات دین ہو

حضور علیہ السلام اِس حوالہ سے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ انسان دُنیا سے کوئی غرض اور واسطہ ہی نہ رکھے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ دنیا کے حصول سے منع کرتا ہے۔ بلکہ اسلام نے رہبانیّت کو منع فرمایا ہے۔ یہ بُزدلوں کا کام ہے۔ مومن کے تعلقات دُنیا کے ساتھ جس قدر وسیع ہوں وہ اُس کے مراتبِ عالیہ کا مُوجب ہوتے ہیں کیونکہ اُس کا نصب العین دین ہوتا ہے اور دُنیا، اُس کا مال وجاہ دین کا خادِم ہوتا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ دُنیا مقصُود بالذّات نہ ہو۔ بلکہ حصُول دُنیا میں اصل غرض دین ہو اور ایسے طور پر دُنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وُہ دین کی خادِم ہو۔ جیسے انسان کسی جگہ سے دوسری جگہ جانے کے واسطے سفر کے لئے سواری اور زادِ راہ کو ساتھ لیتا ہے تو اُس کی اصل غرض منزلِ مقصود پر پہنچنا ہوتی ہے نہ خود سواری اور راستہ کی ضروریات۔ اسی طرح پر انسان دُنیا کو حاصِل کرے مگر دین کا خادِم سمجھ کر۔

اللہ تعالیٰ نے جو یہ دُعا تعلیم فرمائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اس میں بھی دُنیا کو مقدّم کیا ہے۔ لیکن کِس دنیا کو؟ حَسَنَۃَ الدُّنۡیَا کو جو آخرت میں حَسَنات کا مُوجب ہو جاوے۔ اس دُعا کی تعلیم سے صاف سمجھ میں آ جاتا ہے کہ مومن کو دُنیا کے حصول میں حَسَنات الآخرۃ کا خیال رکھنا چاہئے اور ساتھ ہی حَسَنَۃَ الدُّنۡیَا کے لفظ میں ان تمام بہترین ذرائع حصُولِ دُنیا کا ذکر آ گیا ہے جو ایک مومن مسلمان کو حصُولِ دنیا کے لئے اختیار کرنی چاہئے۔ دنیا کو ہر ایسے طریق سے حاصِل کرو جس کے اختیار کرنے سے بھلائی اور خُوبی ہی ہو۔ نہ وُہ طریق جو کِسی دوسرے بنی نَوع انسان کی تکلیف رسائی کا مُوجب ہو۔ نہ ہم جنسوں میں کسی عار و شرم کا باعث۔ ایسی دنیا بے شک حسنۃ الآخرت کا مُوجب ہو گی۔

پس یاد رکھو کہ جو شخص خُدا کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وُہ بیدست وپا ہو جاتا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہوشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے۔ سُستی اور کسل اُس کے پاس نہیں آتا۔ حدیث میں عمار بن خزیمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ کو فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اپنی زمین میں درخت لگانے سے منع کیا ہے تو میرے باپ نے جواب دیا کہ مَیں بڈھا ہوں۔ کل مر جاؤں گا۔ پس اُس کو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھ پر ضرور ہے کہ درخت لگائے۔ پھر مَیں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ خود میرے باپ کے ساتھ مل کر ہماری زمین میں درخت لگاتے تھے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عجز اور کسل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ سُست نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ حصُول دنیا سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ حَسَنَۃَ الدُّنۡیَا کی دُعا تعلیم فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان بیدست وپا ہو کر بیٹھ رہے۔ بلکہ اُس نے صاف فرمایا ہے۔ وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ اس لئے مومن کو چاہئے کہ وہ جدوجہد سے کام کرے۔ لیکن جس قدر مرتبہ مجھ سے ممکن ہے یہی کہوں گا کہ دُنیا کو مقصُود بالذّات نہ بنالو۔ دین کو مقصُود بالذّات ٹھہراؤ اور دُنیا اس کے لئے بطور خادِم اور مَرکَب کے ہو۔ دولت مندوں سے بسا اوقات ایسے کام ہوتے ہیں کہ غریبوں اور مُفلسوں کو وہ موقع نہیں ملتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں خلیفۂ اوّلؓ نے جو بڑے ملک التّجار تھے مسلمان ہو کر لانظیر مدد کی اور آپ کو یہ مرتبہ مِلا کہ صدّیق کہلائے اور پہلے رفیق اور خلیفۂ اوّل ہوئے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 91-92)

نرمی کا سلوک

ایک دفعہ حضورؑ کو سخت سر درد تھا۔ پاس بچّوں اور عورتوں کا شور وغُل بپا تھا۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کی کہ جناب کو اس شور سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ حضورؑ نے فرمایا۔ "ہاں اگر چُپ ہو جائیں تو آرام ملتا ہے۔" مولوی صاحب نے عرض کیا کہ پھر حضورؑ کیوں حکم نہیں فرماتے۔ حضورؑ نے فرمایا: "آپ ان کو نرمی سے کہہ دیں۔ مَیں تو نہیں کہہ سکتا۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 3)

باہم محبت اور نرمی کا برتاؤ کرنا

حضورؑ نے جماعت کے لوگوں کو باہم محبت کرنے اور رُوحانی کمزوریوں کے سامنے نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم کرتے ہوئے اور اُس دردِ دل کا اظہار کرتے ہوئے نصیحت فرمائی۔

"مَیں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے میں سے کمزور اور کچّے لوگوں پر رحم کریں۔ اُن کی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اُن پر سختی نہ کریں اور کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہ آئیں بلکہ اُن کو سمجھائیں۔ دیکھو! صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی بعض منافق آکر مل جاتے تھے پر حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے۔ چنانچہ عبد اللہ بن اُبّی جس نے کہا تھا کہ غالب لوگ ذلیل لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ چنانچہ سورۃ منافقون میں درج ہے اور اس سے مُراد اس کی یہ تھی کہ کفّار مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ اس کے مرنے پر حضرت رسول کریمؐ نے اپنا کُرتہ اُس کے لئے دیا تھا۔

مَیں نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ مَیں دُعا کے ساتھ اپنی جماعت کی مدد کروں۔ دعا کے بغیر کام نہیں چلتا۔ دیکھو! صحابہؓ کے درمیان بھی جو لوگ دعا کے زمانہ کے تھے یعنی مکّی زندگی کے جیسی اُن کی شان تھی ویسی دوسروں کی نہ تھی۔ حضرت ابو بکرؓ جب ایمان لائے تھے تو انہوں نے کیا دیکھا تھا۔ انہوں نے کوئی نشان نہ دیکھا تھا۔ لیکن وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اندرونی حالات کے واقف تھے۔ اس واسطے نبوّت کا دعویٰ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ اسی طرح مَیں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے دوست اکثر یہاں آیا کریں اور رہا کریں۔ گہرا دوست اور پُورا واقِف بن جانے سے انسان بہت فائدہ اُٹھاتا ہے۔ معجزات اور نشانات سے ایسا فائدہ نہیں ہوتا۔ معجزات سے فرعون کو کیا فائدہ ہوا۔ معجزات کے ہزاروں منکر ہوتے ہیں۔ اخلاق کا منکر کوئی نہیں۔ طالب ہو کر اصلی اور جگری حالات کو دریافت کرنا چاہئے۔

آریہ لوگوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر اعتراض کئے ہیں لیکن اگر ان لوگوں کو آپؐ کے اصلی حالات اور اخلاق کریمہ کے صحیح جُز مل جاتے تو یہ کبھی ایسی جرأت نہ کرتے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے دو پہلو دکھلائے۔ ایک مکّی زندگی میں جبکہ آپؐ کے ساتھ صرف چند آدمی تھے اور کچھ قوت نہ تھی۔ دوسرا مدنی زندگی میں جبکہ آپ فاتح ہوئے اور وہی کفّار جو آپؐ کو تکلیف دیتے تھے اور آپؐ اُن کی ایذاء ہی پر صبر کرتے تھے اب آپؐ کے قابو میں آگئے ایسا کہ جو چاہتے آپؐ اُن کو سزا دے سکتے تھے مگر آپؐ نے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر اُن کو چھوڑ دیا اور کچھ سزا نہ دی۔ ہمیں حضرت مسیحؑ پر ایمان ہے اور اُن کے ساتھ محبت ہے۔ مگر یہ کہتے ہیں ہم لاچار ہیں کہ اُن کو اپنے مخالفین پر قدرت اور طاقت نہیں ہوئی اور اُن کو یہ موقع نہیں ملا کہ دشمن پر قابو پا کر پھر اپنے اخلاق کا اظہار کریں اور اگر ان کو یہ موقع ملتا تو معلوم نہیں وہ کیا کرتے۔ سچّا مسلمان وہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آوے۔ مَیں دو باتوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ ایک یہ کہ اپنی جماعت کے واسطے دعا کروں۔ دعا تو ہمیشہ کی جاتی ہے۔ مگر ایک نہایت جوش کی دعا جس کا موقعہ کبھی مجھے مل جائے۔ اور دوم یہ کہ قرآن شریف کا ایک خُلاصہ ان کو لکھ دوں۔ قرآن شریف میں سب کچھ ہے۔ مگر جب تک بصیرت نہ ہو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ قرآن شریف کو پڑھنے والا جب ایک سال سے دوسرے سال میں ترقی کرتا ہے تو وہ اپنے گذشتہ سال کو ایسا معلوم کرتا ہے کہ گویا وہ تب ایک طِفل مکتب تھا۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں ترقی بھی ایسی ہے جن لوگوں نے قرآن شریف کو ذُوالوُجوہ کہا ہے۔ مَیں ان کو پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے قرآن شریف کی عزّت نہیں کی۔

قرآن شریف کو ذوالمعارف کہنا چاہئے۔ ہر مقام میں سے کئی معارف نکلتے ہیں اور ایک نکتہ دوسرے نکتہ کا نقیض نہیں ہوتا۔ مگر زُود رنج، کینہ پرور اور عضّہن والی طبائع کے ساتھ قرآن شریف کی مناسبت نہیں ہے اور نہ ایسوں پر قرآن شریف کُھلتا ہے میرا ارادہ ہے کہ اس قسم کی تفسیر بناؤں۔ نِرا فہم اور اعتقاد نجات کے واسطے کافی نہیں۔ جب تک وہ عملی طور پر ظہور میں نہ آوے۔ عمل کے سوا کوئی قول جان نہیں رکھتا۔ قرآن شریف پر ایسا ایمان ہونا چاہئے کہ یہ درحقیقت مُعجزہ ہے اور خدا کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے جب تک لوگوں میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے۔ گویا جماعت نہیں بنی۔ اگر کسی سے ایسی غلطی ہو کہ وہ صرف ایک غلط خیال کی وجہ سے ایک امر میں ہماری مخالفت کرتا ہے تو ہم ایسے نہیں ہیں کہ ہم اس پر ناراض ہو جائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کمزوروں پر رحم کرنا چاہئے۔ ایک بچّہ اگر بستر پر پاخانہ پھِر دے اور ماں غصّہ میں آکر اس کو پھینک دے تو وہ خُون کرتی ہے۔ ماں اگر بچّہ کے ساتھ ناراض ہونے لگے اور ہر روز اس سے رُوٹھنے لگے۔ تو کام کب بنے۔ وہ جانتی ہے کہ یہ ہنوز نادان ہے۔ رفتہ رفتہ خدا اس کو عقل دے گا اور کوئی وقت آتا ہے کہ یہ سمجھ لے گا کہ ایسا کرنا نامناسب ہے۔ سو ہم ناراض کیوں ہوں۔ اگر ہم کِذب پر ہیں تو خود ہمارا کِذب ہمیں ہلاک کرنے کے واسطے کافی ہے ہم اس راہ پر قدم مارنے والے سب سے پہلے نہیں جو ہم گھبرا جائیں کہ شاید حق والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سُنّت اللہ کیا ہے۔ سرورِ انبیاءؐ پر کروڑوں اعتراض ہوئے۔ ہم پر تو اتنے ابھی نہیں ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ اُحد میں آپ کو 70 تلواریں لگی تھیں۔ صِدق کا بیج ضائع نہیں ہوتا۔ ابو بکری طبیعت تو کوئی ہوتی ہے کہ فوراً مان لے۔ طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ مگر نشان کے ساتھ کوئی ہدایت پا نہیں سکتا۔ سکینت باطنی

آسمان سے نازل ہوتی ہے۔تصرّفات باطنی یک دفعہ تبدیلی پیدا کر دیتے یں۔پھر انسان ہدایت پاتا ہے۔ہدایت امر ربّی ہے۔اس میں کسی کو دخل نہیں۔میرے قابو میں ہو تو مَیں سب کو قطب اور ابدال بنادوں۔مگر یہ امر محض خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ہاں دعا کی جاتی ہے۔

ہم تیار ہیں کہ ہمارے ساتھ صلح کر لیں۔میرے پاس ایک تھیلہ اُن گالیوں سے بھرے ہوئے کاغذات کا پڑا ہے۔ایک نیا کاغذ آیا تھا وہ بھی آج مَیں نے اُس میں داخل کر دیا ہے۔مگر ان سب کو ہم جانے دیتے ہیں۔اپنی جماعت کے ساتھ اگرچہ میری ہمدردی خاص ہے۔مگر مَیں سب کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں اور مخالفین کے ساتھ بھی میری ہمدردی ہے۔جیسا کہ ایک حکیم تریاق کا پیالہ مریض کو دیتا ہے کہ وہ شفا پاوے مگر مریض غصّہ میں آکر اس پیالہ کو توڑ دیتا ہے۔تو حکیم اس پر افسوس کرتا ہے اور رحم کرتا ہے۔ہمارے قلم سے مخالف کے حق میں جو کچھ الفاظ سخت نکلتے ہیں۔وہ محض نیک نیتی سے نکلتے ہیں جیسے ماں بچّہ کو کبھی سخت الفاظ بولتی ہے۔مگر اس کا دِل درد سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔صادق اور کاذب کا معاملہ خدا کے نزدیک ایک نہیں ہوتا۔خدا جس کو محبّت کے ساتھ دیکھتا ہے اس کے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ اس کا ایک سلوک نہیں ہوتا۔کیا سب کے ساتھ اس کا معاملہ ایک ہی رنگ کا ہے۔

مخالفین ہم سے صلح کر لیں۔مِلنا جُلنا شروع کر دیں۔بے شک اپنے اعتقاد پر رہیں۔ملاقات سے اصلی حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔امر تسر کے بعض مخالف سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے منکر ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ایسی بدظنّی کا سبب یہی ہے کہ وہ ہم سے بِالکل الگ ہو گئے ہیں۔اس قسم کے انقطاع تو کمزور لوگ کرتے ہیں کہ بالکل الگ ہو جائیں۔ اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی ۔ تم ہم سے ڈرتے کیوں ہو۔اگر ہم حقیر ہیں تو تم ہم پر غالب آجاؤ گے۔اگر صلح بھی نہیں کرتے تو پھر مقابلہ میں آنا چاہئے۔مقابلہ کے وقت خدا صادِق کی مدد کرتا ہے۔کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 219-223)

(کمپوزڈ:منہاس محمود۔جرمنی)

✡✡✡✡